

ثانیہ ہو کھلا کر لچلی۔ وہ ہند دروازے کے ساتھ ٹپک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے محظوظ لٹکا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پھر پھری سی ثانیہ کے وجود میں دوڑ گئی۔ جو گولی چلا سکا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔
”کیا ہوتا تھا رے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑنے لگیں۔“ دروازہ چھوڑا دو قدم آگے ہوا۔
ثانیہ نے بے اختیار قدم پیچھے ہٹانا چاہے۔ مگر اٹنے ایسا کرنے نہیں دیا۔ اسے فرخ کے سامنے خود کو کمر در ثابت نہیں کرتا تھا۔
”مجھیں مجھے بتانا چاہیے تھا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے میں یہاں تمہاری منحوس شکل کو دیکھنے نہیں آئی تھی۔“ وہ ترخ کر پڑی۔

”اچھا میں سمجھا میرے آنے کی اطلاع سن کر بھاگی آئی ہو۔“ وہ ہنسا۔
 ”پرانی محبتیں اتنی آسانی سے تو بچھانیں جی تو نہیں۔“



”اف..... اف ثانیہ کا دل چاہا کانوں میں اٹھیاں ٹھونس لے۔“

ہاجرہ مسروری اپنے بیڑ پر نیم دراز تھیں۔ ان کا ایک پاؤں کٹن پر رکھا تھا۔ دوسری ٹانگ مسرت دباری تھی۔ ساتھ ساتھ خواجہ مسکراری تھی۔

”اللہ کا شکر ہے۔ اب مسئلہ آسانی سے حل ہو گیا۔“ ہاجرہ نے سکون کا سانس لیا۔

”آپ نے تو مگر نے کی ایک ٹنگ ہی ایسی خوب کی..... کہ عفان بھیا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔“ مسرت ہنسی ”ایسی افراتفری پھیلی کہ عفان اپنی ناراضی بھول گیا۔ مہمانوں کو تیر دکھانا بھی۔“

”مجھے پتا ہے اس جن کو کیسے قابو کرنا ہے۔ شور نہ مچانی تو یہ اڑیل ٹھوڑا مہمانوں سے ملنے آتا۔ اب دیکھو کسے سب ٹھک ہو گیا۔“

ان کے لہجہ میں سکون ہی سکون تھا۔ مہمان بھی مطمئن ہو کر گئے تھے۔
 ”آپ سے پیار کرتے ہیں۔ تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔“
 ”تکلیف تو بہت دیتا ہے۔ کوئی بات نہیں مانتا۔ پہلے کتنا میں کچھ ہوا کرتا تھا۔ اب تو انکار ہے۔“
 ان کا لہجہ افسردہ ہوا۔
 ”جلدی سے مفتیٰ کر دیں۔ اور شادی کی تاریخ رکھ دیں۔ منہ سے پھول ہی پھول جھڑیں گے۔“ وہ چپکی۔
 ”تمہارا نکاح نہ پڑھوا دوں۔ گل و گلزار ہو جاؤ گی۔“ عفتان نے غلط وقت پر انٹری دی تھی۔ وہ سر پر پاؤں
 کھ کر بھاگی۔

”ملازموں کو اتنا سہرے کیوں چڑھاتی ہیں؟“ وہ ناراض سا کہتا پاؤں پر جھکا۔
 ”خواجہ ہمارے ٹیکلی میٹرز ڈسکس کرتے ہیں۔“

”تم پاس بیٹھ جایا کرو۔ تم سے کر لیا کروں گی۔“
 ”لا توری ہیں اپنی پسند کی بہو۔ یہ کچھ بھی دور ہو جائے گا۔“ وہ مطمئن ہو کر پیچھے ہوا۔ پاؤں پر زیادہ سوچیں
 نہیں تھی۔ پھر ماں کو کچھ کر کہنے لگا۔
 ”مکئی کا کھڑاک رہے دیں۔ شادی کی تاریخ طے کر دیں۔“
 ”اتنی جلدی۔“ انہوں نے بے اختیار کہا حالانکہ جلدی انہیں خود بھی تھی۔
 ”اب دیر کس لیے روز روز کا قصہ ایک بار ختم ہو۔“ اس نے صغیریں اچکا میں۔
 ”تمہارے بین بھائیوں کا دیکھنا ہو گا کب آسکتے ہیں۔“
 ”ان میں سے کوئی بھی اگلے سال تک قارع نہیں۔“ اس نے اطمینان سے دونوں ہاتھ پیٹت کی جیبوں
 میں ڈالے۔
 ”آپ یہ کام چند دنوں میں بنالیں۔ میں مانی کو زیادہ دن اس گھر سے دور نہیں رکھ سکا۔ اور ظاہر ہے آپ
 بھی بار بار گرنے کا ذرا نہیں کر سکیں گی۔“
 جیتا تو انکی کا تھا کہہ کر چلا گیا۔ انہیں غصہ کے بجائے ہنسی آ گئی۔ کچھ بھی تھا، وہ جتنی طور پر شادی کے لیے
 تیار تھا۔

”نیک ہی تو کہتا ہے مجھے جلدی کرنی چاہیے۔ پھر کسی بات پر بگڑ گیا تو؟“

☆☆☆

سب ہی خوش باش واپس آئے تھے۔ خاص طور پر اس نے عید کو غور سے دیکھا۔ وہ بالکل مطمئن اور مسرور
 تھا۔ ورنہ جب سے ٹانیہ کی حرکت سامنے آئی تھی۔ وہ ایک لمحے کو بھی شکرانہ نہ کرتا تھا۔ وہ پانی رکھ کر مڑنے لگی۔
 ”تم کہاں جا رہی ہو۔“ عید نے روکا۔
 ”بیمیں بیٹھ کر ساری تفصیل سن لو۔ دروازے سے کان لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”میں کب۔۔۔۔۔“ ارم نے بوکھلا کر ماں کو دیکھا۔
 ”خواتن وہ چیخ رہی ہیں۔ میری بیٹی کی ایسا عادتیں نہیں ہیں۔“ آبیہ نے پیار سے کہتے ارم کو پاس بٹھا لیا۔
 ”میں ہمیشہ سے ارم کے لیے ایسے ہی گھر کی چاہ رہی تھا۔“ توئیں صاحب نے پیار سے ارم کے سر پر ہاتھ
 رکھا۔ ”مجھے یقین ہے ارم وہاں خوش رہے گی۔“
 ”مجھے بھی عفان بہت اچھا لگا۔ ماں کے لیے کتنا پریشان ہو رہا تھا۔“ عید نے کہا۔ ایسے ہی چھوٹی چھوٹی
 باتوں میں ارم کو ساری تفصیل ملتی رہی۔ گھر کیسا ہے؟ معاملات کیا ہیں؟ عفان نے کیا کیا باتیں کیں۔ (کیئرنگ
 تو ہے)

ارم کو چڑیا والا واقعہ یاد آ گیا۔

”ارے بھئی مٹھائی کھولو۔ منہ تو میٹھا کرواؤ۔“
 جب ٹانیہ نے گھر میں قدم رکھا تو وہاں محفل جی تھی۔ چائے کے ساتھ مٹھائی کا دور چل رہا تھا۔ عید ارم کو
 چھیڑ رہا تھا۔ وہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دے رہی تھی۔
 ”السلام علیکم۔۔۔۔۔“

وہ جو زندگی میں مٹھاس بن کر آئی تھی۔ اس کی آواز پر عید کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ مٹھائی نہ ہر بن گئی۔ آخر
 نے منہ پھیر لیا۔ جواب صرف توئیں صاحب نے سنجیدگی اور دھیمے لہجے میں دیا۔
 ”کیا ہو گیا۔ سب لوگ چپ کیوں ہو گئے۔ پہلے تو خوب محفل جی تھی۔“ جواب اب بھی کہیں سے نہ آیا۔

”میرا آنا اتنا برا لگا ہے تو واپس چلی جاتی ہوں۔“ ان کا یوں چپ سا دلہا سے از حد برا لگا۔
 ”نہیں آؤ اس خوشی میں تمہیں بھی شامل ہونا چاہیے۔“ عید نے کہا۔
 ”کس خوشی میں؟“

”ارم کی بات؟“ ٹانیہ ہکا بکا رہ گئی۔ ”دونوں میں رشتہ بھی مل گیا۔ بات بھی طے ہو گئی۔ کمال ہے کیا
 آسمان سے رشتہ ٹکا تھا۔ اور دیکھیں یہاں اکلوتی بہو کو خبر بھی نہیں۔ یہ اوقات ہے میری عید تم بھی۔“
 اس نے شامی نظروں سے عید کو دیکھا۔
 ”اور تم کیوں خالی ہاتھ چلی آئی۔“ عید نے مٹھائی لے کر آؤ گی۔ ”آبیہ نے ٹھنڈے لہجے میں پٹھر کیا۔
 ”میں بات کی مٹھائی؟“ ٹانیہ شیشائی۔
 ”دسم کی مٹھائی کی۔“ جواب عید نے دیا تھا۔ ٹانیہ نے بوکھلا کر ارم کو دیکھا۔
 ”ایسی کوئی بات نہیں۔“
 ”نہا شاہت خوب صورت لگ رہی تھی۔“ ارم نے اپنا موبائل اس کے سامنے کیا۔
 ٹانیہ کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

☆☆☆

”عید۔۔۔۔۔ عید میری بات سنو۔“ وہ بھاتی ہوئی عید کے پیچھے آئی۔ اس وقت اگر اسے فکری تو عید کی۔
 ”میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا ٹانیہ! میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔“ وہ حلق کے بل چلایا۔ ٹانیہ ڈر کر
 دروازے میں ہی رک گئی۔
 ”اتنی گھٹیا اور بچ حرکت۔ میری بہن چلاتی رہی کہ یہ تمہاری سازش ہے۔ تم نے مناشا کو یہاں بلایا۔ تم نے
 ایسی چوٹیں کرائی ہیں۔“ وہ پاگل ہو رہا تھا۔
 ”عید میری بات سنو۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔“
 ”میں تمہارے مزید جھوٹ نہیں سنوں گا ٹانیہ!“
 ”عید میں جانا نہیں چاہتی تھی مگر۔۔۔۔۔“ وہ تیزی سے قریب آئی۔ وہ سرعت سے پیچھے ہٹا۔
 ”تمہیں جہاں جانا ہے جاؤ۔ جو کرنا ہے کرو۔ خدا کے لیے میری نظروں سے دور ہو جاؤ ورنہ میں کچھ کر
 بیٹھوں گا۔“

”مجھے وضاحت کا موقع تو دو۔ میں۔۔۔۔۔“

عید نے اس کا بازو پکڑا اور باہر کی طرف دھکیل دیا۔ وہ تیزی سے پلٹی مگر وہ دروازہ بند کر چکا تھا۔

☆☆☆

حواس باختہ سی ٹانیہ کی سوچے سمجھے کی ساری صلاحیتیں جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔ آن واحد میں سب کچھ
 بدل گیا۔
 اس نے سر اٹھا کر اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ عید کے الفاظ یاد آئے تو تکلیف و اذیت سے
 نچلا اب چاؤ لالہ۔ پورے گھر پر خاموشی کا راج تھا۔
 سب اپنے اپنے کمروں میں بند اور وہ یہاں لاؤنج میں بیٹھی بے وقوفوں کی طرح بند دروازے تک رہی
 تھی۔
 ایک لمحے کو دل چاہا۔ یہاں لاؤنج میں راست گزارنے کے بجائے سکے چلی جائے۔ مگر غیر محسوس سا احساس
 تھا، جو روک رہا تھا۔ ابھی تو صرف کمرہ بد رہی ہے۔ بہن زندگی سے بے دخل کر دیا تو۔ دل ڈوب سا گیا۔

اس نے بے چینی سے مناشا کا منہ ملایا۔
 ”مگر انہیں اتنی جلدی خبر کیسے مل گئی۔ تمہارے پیچھے جاسوس چھوڑ رکھے تھے کیا؟“ اس کے لہجے میں بے زاری اور ناگواری تھی۔
 ”تم سوچ بھی نہیں سیکو میری کیا پوزیشن ہو گئی ہے۔ عید نے مجھے کمرے سے نکال دیا۔“
 ”تو بہت برا ہوا۔“ مناشا کے الفاظ دلچسپ لہجے کا آپس میں کوئی تال میل نہ تھا۔
 ”لیکن یہ ممکن کیسے ہے موبائل تو سارا وقت تمہارے پاس تھا۔“

یہی سوچ سوچ کر ثانیہ کا دماغ پھٹ رہا تھا۔
 ”کیسے؟“ وہ سم نے تو ارم کو جلیس کرنے کے لیے۔“ مناشا نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو ثانیہ بڑی طرح چوکی۔ یہ ممکن تھا بلکہ یہی ممکن تھا۔ اپنے انتقام میں وہ سم نے یہ بھی پروا نہ کی کہ اس کی بہن کا گھر خراب ہوگا۔
 ”مجھے دسم ہے یہ امید نہیں تھی۔“ ثانیہ نے غم دھن سے منشی جیجی کی مناشا نے اسے تسلی دلا سادے کراٹھ کاٹ دی۔ پھر اسے ہنسی آ گئی۔

”اچھا اب دونوں بہن بھائی آپس میں ہی لڑتے رہیں گے۔“ بھلا چند منٹ کے لیے ثانیہ کا موبائل عجب کرنا گیا مشکل تھا۔
 ”مجھے بھی سب کرنا ہوتا تو اس طرح چھپ چھپا کر مکتبی کرتا۔“ وہ سم تو سننے ہی بڑ گیا۔ پورا ایک تھنڈا مناشا کے ساتھ منشی منشی باتیں کر کے وہ سہانے خواب لیے سونے کی تیاری میں تھا جب ثانیہ کی کال آ گئی۔ اس کا الزام.....

وہ سم کا تو دماغ ہی الٹ گیا۔
 ”جذبات میں انسان کچھ بھی کر لیتا ہے۔ ارم کو جلیس کرنے کے لیے بدلہ لینے کے لیے۔۔۔۔۔“
 ”اور اس سب کے لیے میں تمہارا گھر خراب کروں گا۔ تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔“
 ”آپ کو اندازہ بھی ہے مجھ پر کیا کر رہی ہے۔“ ثانیہ کوئی بات سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔ سارا غصہ وہ سم پر نکل گیا۔

”اب تمہارے باگل دماغ کے ساتھ کون تھا لگائے۔“
 ”ہاں، اب ہم پاگل ہو گئے ہیں۔ وہ جو مل گئی ہے مناشا۔“
 ”تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ پہلے جذباتی ہو کر خود تصویریں ارم کو بھیجا دیں اب الزام ہم پر لگا رہی ہو۔ بے وقوف لڑکی!“ وہ سم نے غصے سے کال ہی کاٹ دی۔
 ”ابھی تو مکتبی ہی ہوئی ہے کہ آٹھ گھنٹے مانتے پر رکھ لی ہیں۔ سارا قصور ہی میرا ہے۔ ایک جزیل سے جان چھڑا کر دوسری کو گتے لگا لیا۔ پھر تے رہتے اسی طرح چار پانچ سال تو اچھا تھا۔“
 اس نے غصے سے موبائل بند کیا اور صوفے پر لیٹ گئی۔ اس نے سوچنا تھا۔
 کچھ ایسا کرنا تھا کہ پوزیشن پلٹ جائے۔ اسے جلد از جلد سب ٹھیک کرنا تھا۔

☆☆☆

رات اپنے جوہن پر تھی۔ ہوارات کی رانی کی خوشبو چائے بوجھل سی تھی۔ ایک وہ تھا۔ منڈیر پر سر جھکائے بیٹھا۔
 اس کے کندھے سے ذرا داہنی طرف ادھورا چاند۔ دونوں میں باکی نمائش تھی۔
 ارم نے ٹک اس کے پاس رکھا اور اپنا گہ ہاتھ میں لے کر منڈیر سے ٹیک لگائی۔ دونوں ایک دوسرے کی

طرف دیکھ نہیں پا رہے تھے۔
 وہ غمزدہ تھا اور ارم کو بھائی کی شرمندگی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔
 ”جانتی تھی۔ میرے بھائی کو پتہ نہیں آ رہی ہوگی۔“ ارم نے ٹک اٹھا کر عید کے منتوں سے نکرایا۔
 ”جانتی ہو محبت میں ہار کیا ہوئی ہے۔“
 ارم خاموش رہی۔ محبت کی ہوتی تب ہی کچھ بتا دیتی۔ فیصل جاں پر محبت کے موسم اترے ہی کہاں تھے۔
 وہ سم کا آنا اور جانا بس ہوا کا جھونکا تھا۔ آیا اور ذرا سا چھو کر گزر بھی گیا۔
 ”جب نہیں لگتا ہے، جس کے لیے ہم ساری دنیا چھوڑنے کو تیار ہو گئے تھے۔ وہ تو اس قابل ہی نہیں تھا۔“
 عید نے خود ہی جواب دیا۔

”لیکن اس میں قصور ہمارا ہی تو ہے۔ ہم اسے اپنی ذات کے آئینے میں ویسا ہی دیکھتے ہیں۔ جیسا ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔“ ارم نے نرمی سے جواب دیا۔ یہی تو بتاتی رہی تھی کہ ثانیہ ویسی نہیں ہے، جیسی وہ سمجھتا ہے۔
 ”میرا ب کے پیچھے بھاگنے والوں کے ہاتھ لکسی ہی مایوسی آتی ہے۔“
 ”تو سزا کیا ہو؟“ عید کے لہجے میں کئی درجہ آہ۔ بہت گہری چوٹ تھی۔ اسے تو روٹنا چاہیے تھا۔
 ”چھوڑو..... دونوں انسان ہی تو ہیں۔ غلطیاں تو کریں گے۔“ ارم نے کافی کے کچھ ٹھونٹ کے ساتھ بہت سی باتیں اپنے اندر اندر لے لیں۔
 ”تمہیں دکھ نہیں ہوا۔“ عید جو حیرت تھا۔ بہن کا دل بڑا تھا تو طرف سمندر نکلا۔
 ”نہیں میں تو پہلے سے جانتی تھی۔“ ارم نے سادگی سے کہا۔ عید نے عداوت سے چاندنی سے اگلے من والی بہن کو دیکھا۔

”آئی ایم سوری۔۔۔۔۔“
 ”کوئی بات نہیں تمہیں حقیقت پتا چل گئی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اب مزید دھوکا مت کھانا۔“ وہ ہنسی۔
 اس رات دونوں بہن بھائی نے مل کر ڈھیروں باتیں کیں۔ نجانے کتنے، دونوں کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کے سامنے اندر کا حال رکھا تھا۔

”وہ مجھے بہت اچھا لگا ہے۔“ عید نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔
 ”کون؟“ ارم نے بے خیالی سے پوچھا۔
 ”عفان مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔“
 ”مجھے تمہارے یقین پر یقین رکھنا چاہیے۔“ ارم نے سنجیدگی سے پوچھا مگر عید کو ہنسی آ گئی۔
 ”ماضی کے تجربے کو دیکھ کر تو نہیں۔“
 ”لیکن مجھے تمہارے یقین پر یقین ہے عید!“ ارم نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
 ”کیونکہ تم نے اسے ایک بھائی کی نظر سے دیکھا ہے۔“ عید نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔

☆☆☆

انتظار کرتے کرتے رات بوڑھی ہونے لگی اور کرکٹ کرکٹ تھکن زدہ وجود بے زار ہو گیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
 دروازے کے دوسری طرف کوئی آہٹ کوئی آواز نہ تھی۔ عید آج کمرے میں نہ تھا۔

”رشتے بچانے کے لیے اگر اپنا کسی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔“
 ”یہ تو کزوری ہوئی۔ لوگ تو اس سے قائدہ اٹھائیں گے۔“ ثانیہ نے بے اختیار کہا۔
 ”مجھے کبھی کبھار لوگوں کو قائدہ دے دینا چاہیے سوئی۔ لیکن تم نے دیکھا اللہ نے میری سچائی کو ثابت کر دیا۔“
 کیونکہ نیت نیک ہو تو اللہ ساتھ دیتا ہے۔ انسان کی بری نیت اس کے اپنے غی پر بڑی جالی ہے۔
 ”انہیں بھی مٹھی مٹھی باتوں سے عبید کو قابو کیا ہوا ہے۔“ ثانیہ نے غی سے پوچھا تو ارم مسکادی۔
 ”اسے زندگی گزارنے کا سلیقہ کبھے ہیں۔ کبھو تمہیں بھی سکھا دوں۔“ ثانیہ چڑ کر مڑ گئی۔
 ”برتن کمرے میں مت چھوڑ آنا۔“ عقب سے ارم نے آواز لگائی۔ ثانیہ تاؤ کھائی کمرے میں آئی اور
 نرے بیڈ پر جتنی ناشہ خشتہ اہو گیا تھا اور بد مزہ بھی لگ رہا تھا۔

نربے بیٹہ پر جتنی ناشتہ ٹھنڈا ہو گیا تھا اور بد مزہ کی لک رہا تھا۔
 ”بہت ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔ رشتہ جو ہو گیا ہے۔ ہونہ بیٹھے بیٹھائے کون سا شہزاد مل گیا ہوگا۔ پکڑو عکڑو
 جو بھی ہاتھ لگے رشتہ کر دیا۔ صرف ہمیں بچا دکھائے۔ ہونہ عجیب شب و روز کا سلسلہ تھا۔“
 مائے گوشتا گھر میں اس کی حیثیت زیر ہو گئی ہے۔ وہ شہزادی سے نوکرانی بن کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ سب مل
 جل کر ہی کام کرتے۔ مگر وہ عیش و آرام خواب ہو گیا۔ وہ سارا غصہ ملازمہ پر ہی نکالتی۔ ملازمہ اسیر سے شکایتیں
 لگاتے لگاتے ایک دن کام ہی چھوڑ گئی۔ اب نئی ملازمہ کے آنے تک صفائی کا کام بھی سر پر آ پڑا۔
 عید کا انداز لے دیے تھا۔ آفس سے آ کر ماں باپ کے پاس بیٹھا رہتا۔ پھر کھانا کھا کر غسل سے سوجاتا۔
 ”بس کرو گھر کا ماحول خراب ہو رہا ہے۔ اب اسے معاف کر دو۔“ تو اس صاحب نے عید کو سمجھا یا۔
 ”آپ نے معاف کر دیا؟“ عید نے سنجیدگی سے پوچھا۔
 ”ہاں کیونکہ کوئی کچھ بھی کر لے۔ ہماری ادم کے نصیب پر تالا نہیں لگ سکتا۔ اس کا نصیب بہت روشن

ہے۔“ ان کا لہجہ اطمینان و سکون کا غمازی تھا۔
 ”ان شاء اللہ لیکن اسے خود ااحساس تو ہونے دیں کہ اس نے غلط کیا ہے؟“ عید کو بھی اعزازہ تھا کہ وہ کس
 قدر بے چین ہے۔ بستر پر گردشِ بیدگی ثانیہ اسے بھی نظر آئی تھی۔
 ”احساس دلاتے دلاتے زیادتی نہ کر جانا۔“ انہوں نے تاکید کی۔ تو وہ سر ہلا کر اٹھ گیا۔
 بیرونی برآمدے میں بید کی کرسی پر وہ بیٹھی تھی۔ نہ بال بتائے تھے نہ لباس بدلا تھا۔ ہوا کی شرارت سے
 برآمدے میں سرخ و گلہائی پھول بکھرے سر جھار ہے تھے۔ وہ بھی انہی کا حصہ لگ رہی تھی۔ پڑمرود، مرجھائی
 ہوئی۔ محبت اعزاز بن سکتی تھی تو نافرمانی کی محنت ٹھہری۔
 محبت نے خود کو روک لیا۔ دو قدم پیچھے ہٹی تو اپنی قدر رہا چلی۔ وہ جیسے اعزاز بن کر گھٹے لگتی تھی۔ اسے منور کر
 دیتی تھی۔ سرخ پیمبر لکھی تو سامنے والا اماؤس ہو کر جاتا تھا۔ عید اس کے قریب رکا۔
 ثانیہ نے جو کمر گردن اٹھائی۔

”اس طرح کیوں بھیجی ہو جس طرح تم پر بہت ظلم ہو رہا ہے۔“ اس کا لہجہ زہریلا تھا۔ بھانسی تو اتنا سا دھبھی نہ تھا۔

”جو کہتا تھا ٹانیہ تمہیں دیکھے بغیر میری جگہ نہیں ہوتی۔ وہ اب مجھے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا۔“ وہ کرلائی۔

”یہ ظلم تم نے خود اپنی ذات پر کیا ہے ٹانیہ! ہم میں سے کسی کا کوئی قصور نہیں دعا کرو دعا کرو کہ میرا دل

تہہاری طرف سے صاف ہو جائے۔“ وہ خاموشی سے اس کی پشت دیکھتی رہی۔ یہاں تک وہ بیرونی دروازہ عبور کر گیا۔
 ”دعا کروں۔“ وہ زہر لب بلی بڑائی۔ پھر کھڑکی کی ہو کر پلٹی۔ عقب میں ایک آرامی آئینہ تھا۔ اور آئینے میں
 ایک مرجانی ہوئی بے شمشیر لڑکی تھی۔
 ”وہ مجھے دیکھے گا بھی کیوں؟۔۔۔۔۔؟“ تانیہ کو خود اپنے ہی اوپر غصہ آیا۔
 ”نہیں۔“ اس نے زلی میں گردن ہلائی۔ دووں ہاتھوں سے بالوں کو اٹھا کر اپنی صراحی دار گردن کو دیکھا۔
 ”ابھی مجھ میں اتنی کشش ہے کہ مجھیں پاگل بنا سکوں عبید۔“
 اس نے ایک بار پھر دعا سے زیادہ کوشش پر اعتبار کر لیا تھا۔
 ☆☆☆

پور پور خود کو سچے سر تاپا شعلہ جوالہ دینی وہ اسے جھلسانے، زیر کرنے کو تیار تھی۔
روشنی اور تاریکی کا حسین احتراج
نیم خوابیدہ ماحول

محبت نثار ہونے کو تیار تھی۔ سکرانی۔ سرخ یا قوت میں سفید موتی جھلک دکھانے لگے۔
 عید جھلک کر کہہ..... تو تانے سے کیے نظریں جراتے ہو۔ وہ گویا پانی پر چلتی اس کے قریب آئی۔
 ”آج دیکھتی ہوں مجھ سے کیے نظریں جراتے ہو۔“ وہ گویا پانی پر چلتی اس کے قریب آئی۔
 ”کہیں جاتا ہے؟“

”بہن جاننا ہے؟“
 ”صرف تم تک آنا ہے۔“ اس نے پاس آ کر دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھے اور خود سپردگی کے عالم میں ان پر سر ٹکا دیا۔ اس کے بالوں سے خوشبو آ رہی تھی۔ اس کی حالت پر حدت تھی۔ مگر عبید کے دل کی دھڑکن معمول کی تھی۔

”اگر دل خوب صورت اور صحت مند ہو تو حسن بے معنی ہے۔“
عبد نے دل میں اعتراف کیا۔

اس سے آگے میں بیوی کا رشتہ اعتبار، ایثار اور وفا پر استوار ہوتا ہے۔
 ”قربت کے ان محلوں میں سب منزلوں کی۔“

ثانیہ کا ذہن ایک ہی نقطہ پر اٹکا تھا۔
 قربت کے لمحے وجود کی کشش، لمس کا جادو۔
 ”پلیز.....“ عید نے آہستہ سے اس کی کلائیاں تھام کر نرمی سے خود سے دور کیا۔ ثانیہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔
 اندر کچھ کرچی کرچی ہو گیا۔
 دو کہے اسے نظر انداز کر سکتا تھا۔

اس نے بے حد حیرت سے نگہ درست کرتے عید کو دیکھا۔
 وہ غار ہونے کو تیار تھی۔ اب کہا قدموں میں بیٹھ جائے۔ اس نے بے جذبہ کر اس کا بازو کھینچا۔
 ”نہیں برداشت تو ایک ہی بار گولی مار دو۔۔۔۔۔ یا زندگی سے بے دخل کر دو۔“ عید بے تاثر سا اسے دیکھے

”مجھے اتنا بے وقعت مت کرو عبید۔“ اس نے دانت میسے۔

”کیوں نہ بھاگوں دو بھاری.....“ مادروہ نے گھم دیا۔
 خاطر پوری فیملی کی باتیں سن رہی ہے۔ کہ لڑکے والوں نے منگنی اپنے گھر کیوں نہ کی۔ اس بھانے اس کے رشتے
 دار ہمارا گھرا دو بھانے چاہتے تھے۔ کیا کیا بھانے کر کے اس نے روکا..... اور اب یہ اس پر الزام لگا رہی ہے۔
 کس قدر بے گناہ لہجہ تھا۔ جیسے وہ وہیں کی کچھ لگتی ہی نہ ہو۔ سب کچھ ناشایستہ لگتا تھا۔

”کوئی بے چاری نہیں ہے۔“ ثانیہ غم و غصے سے چلائی۔ ”بہت چالاک ہے۔ اس سب میں وہ بھی شامل
 تھی۔ میں بتا رہی ہوں ابھی اس منگنی کو ختم کر دیں۔ بہت پچھتاہٹیں گے۔ وہ لڑکی۔“
 ”شٹ اپ.....“ وہ تو اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”اپنا گھر تو بتا نہیں ہے۔ ہر دوسرے دن ناراض ہو کر یہاں
 بیٹھی ہوتی ہو اور چاہتی ہو کہ میرے اپنے سے پہلے ہی اجر جائے۔“

ہائے ساری دنیا کٹھنی دھنکی پر اتر آئی تھی۔ وہ بہن بھی بتا رہی تھی کہ نیشا نے یہ سب کیا ہے۔ وہ بھائی تھا
 اسے یقین کرنا چاہیے تھا۔ وہ نہیں کر رہا تھا۔ ان اسے الزام دے رہا تھا۔
 ”لبا! دیکھ رہے ہیں۔“ اس نے مدد کے لیے باپ کو پکارا۔ دادی کو دیکھا۔ وہ سچ بول رہی تھی۔ مگر کوئی اس کا
 یقین نہیں کر رہا تھا۔

”خوب سن رہا ہوں۔ تم عورتوں کا تو دماغ ہی الٹا ہے۔ جو منہ میں آتا ہے بولے جاتی ہو۔“ شبیر نے
 تیوری چڑھائی۔

”اور تمہاری کسی بات پر مجھے کبھی اعتبار ہوا ہی نہیں۔“

لو جی قصہ ختم باپ نے بھی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔
 دادی انجان بنی اپنے دوپٹے کے دھاگے تو جیتی رہی اور ماں۔

ثانیہ نے امید سے دیکھا۔

مادروہ نے کے مقابلے میں اس کا ساتھ کیوں دیتیں۔ ایک دو جملے کے بعد ہی چپ سادھ لی۔

وقت کا دھارا الٹا چل رہا تھا۔

اس مشکل وقت بھی اسے نجانے کیوں ارم یاد آ گئی۔

(کمیخت کی بد دعا لگ گئی ہے۔)

کر دار بدلے تھے جو دشمن تو وہی تھی۔

”میں کوئی کانوں کا کچا بے وقوف نہیں ہوں جو تمہاری باتوں میں آ جاؤں گا۔ یہ ڈرامے اپنی سسرال میں
 جا کر کرتا۔“ وہ کم کھڑا ہوا۔

”جو ابھی اس گھر میں آئی نہیں۔ اس کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے۔ تمہیں اس کو گالیاں دینے کا کیا حق
 تھا۔“

”میں نے اسے کوئی گالی نہیں دی۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔“ ثانیہ نے دہائی دی۔ تو وہیں نے موبائل نکال
 کر ریکارڈنگ چلا دی۔ غصے میں کیا چاہتا ہے کہ کیا کچھ بول گئے۔

اب سوچ رہی تھی یہ کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔

شبوت خود بول رہا تھا۔ اب وہ کیا ہو گئی؟

شبیر غصے سے کھڑے ہوئے۔

”ابھی اور اسی وقت نکلو۔“

”کیا کر رہے ہیں۔ بیٹی کو گھر سے کون نکالے۔“ مادروہ ہڑا کر بولی۔

”میں، میں نکال رہا ہوں۔ اس فسادن لڑکی کا میرے گھر میں کوئی ٹھکانہ نہیں۔“

”اور اس سے کہیں اپنے گھر رہا کرے ہمارے گھر آ کر فساد کرنے کی ضرورت نہیں، ہمت ہے عید کی
 جو اس کو برداشت کر رہا ہے۔“

باپ بیٹے گھر سے نکل گئے۔

”میری بیٹیوں کے نصیب ایسے ہیں۔ سسرال سے ناراض ہو کر آئی تو باپ بھائی گھر میں برداشت
 کرنے کو تیار نہیں۔“ مادروہ رونے لگی۔

ثانیہ کے سائیں سائیں کرتے دماغ پر ان کی آواز ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ یہ اس کے لیے دوسرا
 جھٹکا تھا۔

”ہاں تو جائے وہاں۔ جہاں سب برداشت کر رہے ہیں۔ کس نے گھر سے تو نہیں نکالا۔ خود ہی آئی ہے
 ۔“ دادی نے گردن گھما کر ثانیہ کو دیکھا۔

”میری بیٹی گھر سے بیرون کا کیا جاتا ہے۔ پھر سے جن لو جھولی بھرو۔۔۔۔۔ جا جا کر میاں کو منالے۔ اب
 یہاں کوئی نہیں گوارہ نہیں کرے گا۔ معافی مانگ لو۔“

معافی اس کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔

اس نے سوچا تھا اسے روایتی زندگی نہیں جتنی زندگی اسے ساری روایتیں سکھانے پر مل گئی تھی۔

☆☆☆

ثانیہ خاموشی سے گھر واپس آ گئی۔ اور گھر کے معمول میں یوں شامل ہوئی گویا ہمیشہ سے اس کا حصہ ہو۔
 آہ اس سے بہت کم باتیں کرتیں۔ ارم بھی لیے دیے رہتی۔ تو تیس صاحب آتے جاتے حال احوال دریافت کر
 لیتے۔ عید کا وہی معمول تھا۔ صبح آفس شام میں ماں باپ کے ساتھ اور رات کو کمرے میں آ کر سو جاتا۔ بس اتنا
 ہوا کہ اب وہ ثانیہ کو آواز دے کر کام کہہ دیتا تھا۔

”چائے بنا دو۔“

”کھانا لگا دو۔“

”میری شرٹ کہاں ہے؟“

ثانیہ نے بھی عید کا ہر کام اپنے ذمے لے لیا تھا۔ آفس کی تیاری، ناشتہ، کھانا، پھر ملازمہ کے ساتھ مل کر
 سنائی۔ ترائی۔ ارم اسے مصروف دیکھتی تو دل دینے کے بجائے کسی اور کام میں لگ جاتی۔ جتنا سنوڑنا سنے
 کپڑے پہنتا۔ وہ سب بھول گئی تھی۔ الماری میں اس کے سارے کپڑے استری شدہ موجود تھے۔

عید نے مڑ کر دیکھا۔ ثانیہ بیڈ شیٹ بدل رہی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر عید کی ساری چیزیں موجود تھیں۔
 ثانیہ دوسری بیڈ شیٹ نکالنے کے لیے الماری کی طرف آئی۔ عید نے اپنے کپڑے نکال لیے۔ مگر جگہ نہیں
 چھوڑی۔

”مجھے بیڈ شیٹ نکالنی ہے۔“ ثانیہ کو نوکنا پڑا۔

”خیریت تو ہے کچھ دنوں سے تمہارے معمولات بدلے بدلے سے ہیں۔“ عید نے اسے غور سے دیکھا۔
 دھلا دھلا یا چہرہ۔ بالوں کی سادہ سی چوٹی۔ ہلکی پھلکی جیولری تک غائب تھی۔

ثانیہ نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”میرے شوہر پرندہ روپ اثر کرتا ہے۔ نہ معافی، نہ آنسو۔ سوچا خدمت کر کے دیکھ لوں۔“
 ”اچھی بات ہے۔ جلدی بھی درست کرلو۔“
 وہ کہہ کر جگہ چھوڑ گیا۔
 ”کس لیے۔“ ثانیہ بولی۔ ”میرا شوہر مجھے اس گھر میں مہارانی نہیں۔ نوکرانی کی طرح دیکھنا چاہتا ہے تو

ایسے ہی سہی۔“
 ”میں نے تو مہارانی ہی بنا کر رکھا تھا ثانیہ۔“ عید کا لہجہ ادا اس تھا۔
 ”اب کیا ساری زندگی مجھے میری غلطیوں کی سزا ہی دیتے رہو گے۔“ وہ روپڑی عید کو تکلیف ہوئی۔
 اس نے کپڑے بیڈ پر ڈال دیئے۔ پاس آ کر ثانیہ کے ہاتھ ہٹائے۔ نرمی سے آنسو صاف کیے۔ پھر بازو سے تمام کر بیڈ کے کنارے بیٹھا دیا۔
 ”وقت آ گیا ہے۔ ہم بیٹھ کر اپنی ترجحات تیار کر لیں۔“
 ”ضرورت نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ تمہاری پہلی ترجیح تمہارے گھروالے ہیں۔“ ثانیہ نے ہاتھ کی

پشت سے گل صاف کیا۔
 وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا اسی کو دیکھ رہا تھا۔
 ”کوئی پہلا اور دوسری ترجیح نہیں ہوتا۔ میرے لیے تم بھی اہم ہو اور وہ بھی۔ لیکن تمہیں سمجھنا ہوگا۔ میں صرف تمہارا شوہر نہیں ہوں بھائی ہوں اور بیٹا بھی۔ یہ لوگ مجھے اتنے ہی پیارے ہیں جتنے تمہارے گھروالے تمہیں ہیں۔“
 ”میں نے وہ تصویریں نہیں بھیجی تھیں۔ نشانے بھیجی تھیں۔“

عید ایک لمحے کو خاموش ہوا۔
 ”تمہیں مجھے اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔“
 ”میری غلطی ہوئی۔“ ثانیہ کے لہجے میں ندامت تھی۔ ”مجھے لگا ارم کو دکھ ہوگا بس اسی لیے۔“
 ”ایک بات کیسر کرلو۔ ارم وسم سے محبت نہیں کرتی تھی۔ اور ویسے بھی اس کا رشتہ اتنے اچھے گھر اور اتنے اچھے انسان کے ساتھ ہوا ہے کہ اسے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔“
 ”مجھے کیا بتا مجھے تو کسی نے اس قابل سمجھایا نہیں۔“
 وہ سوسن کر رہی تھی۔ عید نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے نٹو باکس سے نٹو نکال کر اسے دیا۔
 ”اس قابل بننا پڑتا ہے ثانیہ۔ کچھ بھی پلیٹ میں رکھ کر نہیں ملتا۔“
 ”میں کوشش کروں گی۔“

”پہلے روٹا تو بند کرو۔ بہت بری شکل ہو رہی ہے۔“
 ”وہ تو تمہیں میں دے رہی ہوں۔ تمہاری بری لگتی ہوں۔“ عید تو دور دور رہتے ہو۔
 ”بس، دور نہ ہوتا تو تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس کیسے ہوا؟“ عید نے بازو پھیلا کر اسے قریب کیا۔
 ”مار ڈالتی ہو، میری کمزوری ہاتھ لگ گئی ہے نا۔“ ثانیہ نے شاکی نظروں سے عید کو دیکھا۔ یہ شکایت تو اسے اپنے آپ سے بھی تھی۔

”ثنیہ کو عید کی کمزوری بننا تھا۔ عید نے کب حادی ہوتا چلا گیا۔“
 ”میں کچھ بھی کروں۔ اس گھر میں کبھی میری اہمیت نہیں ہو سکتی۔“ ثانیہ کی شکایتوں کا دفتر کھل گیا۔
 ”تم کچھ کر دو سہی۔“ عید کا لہجہ بدلا۔

”کیا کروں۔۔۔۔۔؟“ وہ کچھ خوب صورت بات سننا چاہتی تھی۔
 ”ابھی تو ناشتہ بنا دو۔ آفس سے لیٹ ہو گیا ہوں۔۔۔۔۔ اور جلدی آتا ہے۔“
 ”بنا دیتی ہوں۔“ وہ اٹھنا نہیں چاہتی تھی مگر اٹھنا پڑا۔ کتنے دنوں کے بعد تو عید نے اس سے بات کی تھی۔ عید بھی کپڑے اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اسے شاور لینا تھا۔
 ”شام کو ارم کے سرال والے شادی کی تاریخ لینے آرہے ہیں۔ امی سے پوچھ لینا کیا انتظام کرنا ہے۔“

عید کا لہجہ سرسری تھا۔ مگر اگلا مرحلہ یہی تھا کہ ساس بہو کے تعلقات نارمل ہو جائیں۔ ابھی بھی نہیں بتانا تھا۔
 وہ دل میں کستی کچن میں آ گئی۔ جہاں آریہ توفیق صاحب کا ناشتہ بنا رہی تھیں۔ ثانیہ کا دل نہیں چاہا رہا تھا۔ ان سے بات کرے۔ مگر پوچھنا پڑا۔
 ”مہمانوں نے کتنے بجے آتا ہے آریہ۔“

آریہ کا دل چاہا صاف صاف کہہ دیں۔ میری بیٹی کے سرال والوں اور اس کی خوشیوں سے دور رہو۔ مگر وضع داری آڑے آ گئی۔ بھیجی تفصیل بتانے لگیں۔ لیکن اس کے بعد ثانیہ نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ مسلسل ان کے ساتھ کچن میں لگی رہی تھی۔ ارم نے ملازمہ کے ساتھ مل کر گھیر سیٹ کر لیا۔
 ”کیا پہن رہی ہو۔“ ارم وارڈ روب کھولنے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ مہمانوں کے آنے میں کچھ ہی دیر تھی۔ آریہ نے کہا وہ تیار ہو جائے کہ ثانیہ چلی آئی۔
 ”کچھ بھی پہن لوں گی۔ انہوں نے کون سا؟“

”لاؤ میں مدد کرواؤں۔“ وہ پاس آ کر یولی تو ارم ایک طرف ہو گئی۔
 ”تم نے اسے دیکھا ہے۔“
 ”تصویر دیکھی ہے۔“

”بات نہیں ہوئی۔“ ثانیہ مسکرائی۔
 ”نہیں۔“ ارم ایک سوٹ نکال کر دیکھنے لگی۔ اس کا انداز محتاط سا تھا۔ ”دل تو چاہتا ہوگا۔“
 ”ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔“ ارم نے خود ہی ایک سوٹ نکال لیا۔
 ”ویسے یہ سب کچھ جلدی نہیں ہو رہا۔ آنا فانا رشتہ آنا بات طے ہونا اور اب تاریخ۔ کچھ دیکھ بھال تو کرنی چاہیے تھی انجینی لوگ ہیں۔“

”ابو نے بات طے کی ہے تو کچھ سوچ کر ہی کی ہوگی۔ میں تیار ہو جاؤں۔“
 ”ہاں میں انتظام دیکھ لوں۔“ ثانیہ چلی گئی۔ تو ارم نے گہری سانس لی۔ وہ اب ثانیہ کی موجودگی میں کمر ٹیبل محسوس نہیں کرتی تھی۔

مہمانوں کو دکھ کر ایک لمحے کو تو ثانیہ کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔
 ہاجرہ بیگم پورے طمطراق اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ آئی تھیں ساتھ میں چند قریبی عزیز تھے۔ پھل، مٹھائی، میوہ جات کے ساتھ ارم کے لیے خوب صورت اور قیمتی تحائف بھی تھے۔

ثنیہ کو مایوسی ہوئی۔ اسے تو لگا تھا بس جلد بازی میں کوئی مناسب سارشتہ دیکھ لیا ہوگا۔ مگر یہاں ہر چیز منہ سے بول رہی تھی۔
 ”کیا پتا لڑکا کیسا ہو؟“ اسے پورا یقین تھا یقیناً لڑکے میں کوئی کمی ہوگی۔ اس کے خیالوں کے درمیان

نئی دوا بعد کی تاریخ دے دی گئی۔

☆☆☆

فرخ تو وہاں آ نہ سکتا تھا۔ دادی خود ہی ملنے چلی آئیں۔ کزور ہاتھوں سے پیٹ ڈالا۔ وہ بھی ہنستے ہنستے مار کھاتا رہا۔ پھر کان پکڑ کر معافی مانگنے لگا۔ رابعہ نے دادی کو واپس نہ جانے دیا۔ اصرار کر کے روک لیا۔

سر میں تیل کی مالش کی نہلایا دھلایا۔ گڑیا سی بنا کر ہنگ پر بٹھالیا۔ فرخ کو نوکری مل گئی تھی۔ واپس آ کر دادی کے پاس لیٹا جھپٹیں کرتا رہتا۔ گھر سے دور رہ کر گھر والوں کی قدر ہو گئی تھی۔ آصفہ پوتوں میں مگن کبھی کبھار دورہ پڑتا تو رابعہ کے لئے لے لیتیں۔ رابعہ کو بس کرنا لانا آتا تھا۔ سکیل اب بھی فرخ سے کھینچا رہتا تھا۔ فرخ نے مانی سے شکایت کی۔

”بھائی نے ابھی تک مجھے معاف نہیں کیا۔“
”تو کیا تمہارا منہ ماتھا چومے۔“ دادی نے تنک کر کہا۔ ”مگر آنے کی اجازت دے دی اور کیا چاہیے۔ وہ تم نے جو کیا تھا کوئی اور بھائی ہوتا تو۔“

”میں کیا کرتا۔ مانی نے دماغ خراب کر دیا تھا۔“ فرخ شرمندہ ہو کر کان کھانے لگا۔
”دماغ تو اس کا اب بھی خراب ہے۔ ذرا سے ہی ختم نہیں ہوتے۔ جب دیکھو ناراض ہو کر آئی ہوتی ہے۔“ دادی نے بے زاری سے بتایا۔

”اچھا۔“ فرخ کے کان کھڑے ہوئے۔ اور دادی کی چٹھی جس نے الارم بجایا تو خشکیں نگاہوں سے گھورنے لگیں۔

”تمہیں کیا؟ اپنی نوکری پر توجہ دے پھر تیرے لیے بھی کوئی دلہن ڈھونڈیں۔“

”مجھے شادی نہیں کرنی۔ لڑکیوں پر اعتبار نہیں رہا۔“ شادی کے نام پر زخم ہرے ہونے لگتے تھے۔

”ساری ایک جیسی تھوڑی ہوتی ہیں۔“ انہوں نے پچکارا۔ ”اپنی رابعہ جیسی ہیرا لڑکی ڈھونڈوں گی۔“

تیجی رابعہ بڑیوں کا سوپ بنا کر لے آئی۔ عقب میں آصفہ دونوں بچوں کو دایں بائیں لٹکائے آگئیں۔ فرخ نے لپک کر دونوں گوان سے لے لیا۔ اس کی جان بھی سمجھوں میں۔

”اماں ذرا دیکھنا ان کے ماتھے کیسے گول سے ہو رہے ہیں اور سر کتنا لمبا ہے۔“ آصفہ کے اپنے

بکھیرے تھے۔ ان کا بس نہ چٹا دونوں بچوں کو پھر سے گھڑ لیں وہ ”اس کی تو ناک بھی جھپٹی ہے۔“ دادی نے

بغور جائزہ لے کر نیا انکشاف کیا۔ ”گلتا ہے کروٹ کے بل سلائی ہو۔“ رابعہ کا منہ بے چارہ سا ہو گیا۔ آج

اسے سارا دن یہی پچھرتا تھا۔ فرخ قہقہہ دباتا جھپٹی ناک والے کو جو منے لگا۔

”اماں، میں نے سنا ہے۔ دسم کی خواہ بڑھ گئی ہے۔“ رابعہ کے کمرے سے نکلے ہی آصفہ نے پوچھا۔

”ہاں تو تمہیں کیا، اللہ اس کے نصیب میں کرے۔ تمہارے تو اپنے دونوں کمار ہے ہیں۔“ دادی نے

آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ یہاں تو دونوں رہتا تھا۔ واپس تو وہاں جانا تھا۔

”میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا۔“ آصفہ کھیلی سی ہوئی۔

☆☆☆

شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئی تھیں۔ ہر روز بازار کے چکر لگتے۔ جہیز کے لیے تو ہاجرہ

نے صاف منہ کر دیا تھا۔

”جو کچھ گھر میں ہے سب ارم نے ہی برتنا ہے۔ اور گھر میں اللہ کا دیسا ب کچھ ہی ہے۔“ پھر بھی کچرا،

اپریل 2024

کے ماسٹر ایک بک



شعاع کا ایڈیٹنگ سلسلہ

اپریل 2024

کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

✽ ”ماما الملوک“ نکمت سیمہ اکمل ناول،

✽ ”والعصر“ امۃ العزیز شہزاد کا ناول،

✽ ”دستور وفا“ مریم عزیز کا مکمل ناول،

✽ ”محبت میراث میری“ سیدہ غیر کا مکمل ناول،

✽ قرۃ العین سکندر اور فرین ابدال کے ناول،

✽ ہاجرہ رحمان، نظیر فاطمہ، ملیا سمیون، حنا شاہد اور

قرۃ العین سکندر کے افسانے،

✽ ”عید کل اور آج“ قارئین سے سروے،

✽ ڈرامہ رائٹر ”ایلیسن اور لیس کچ“ سے ملاقات،

✽ ”جب تجھ سے نانا جوڑا ہے“ قارئین کے تجربات،

✽ ”دستک“ معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،

✽ ”پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں“ احادیث کا سلسلہ،

✽ خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے

ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولے گا۔

شعاع اپریل 2024 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

دن، زیور..... دونوں ارم اور آسیہ بازار نکل جاتیں اور پیچھے وہ رو جاتی۔ جلتی کھستی ہٹ کی ایسی پکی تھی کہ اس دن کے بعد مکے میں جہانکا شک نہیں، مادہ ہی ایک دو بار چکر لگاتی تھیں۔ عید اچانک ہی چلا آیا۔ وہ برآمدے میں بیٹھی پھولوں پر منڈلائی شہد کی ٹھیں کو دیکھ رہی تھی۔ بے زاری چہرے سے نمایاں تھی۔

”تم اس وقت خیریت طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ وہ اسے اچانک اور بے وقت گھر میں دیکھ کر حیران ہوئی۔

”بس یونہی مجھے لگا کہ جیسے کوئی بہت قارغ بیٹھا مجھے یاد کر رہا ہے۔“

”میں اب تمہیں یاد نہیں کرتی۔“ ثانیہ نے ناک چڑھائی۔

”ہاں تم مجھے حفظ کر چکی ہو۔“ عید نے چند پھول توڑ کر اس کی طرف اچھالے ایک پھول بالوں میں اٹک گیا۔ دوسرے گود میں آ کر گرے۔

”رہنے دو۔ اب ایسی حرکتیں اچھی نہیں لگتیں۔“ ثانیہ نے ہاتھ مار کر پھول نیچے گرا دیے۔

”ماتا کہ گڑی شروع ہوئی ہے۔ اتنے انگارے کیوں چبا رہی ہو۔“ عید نے اس کے بالوں میں انگا پھول نکالا۔

”چھوڑو کھانا کھاؤ گے؟“

”ہوں لیکن باہر۔“

”ثانیہ نے کچھ حیران ہو کر عید کو دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر بولی۔

”گھر میں بیٹا ہے۔“

”وہ رات کو کھائیں گے۔ اب جلدی سے ریڈی ہو جاؤ۔ تمہیں شاپنگ بھی کروانی ہے۔“ عید نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

”رہنے دو عید۔ پتا نہیں گھر والوں نے مجھے شادی میں شامل بھی کرتا ہے یا نہیں..... میں تو ویسے بھی کسی بات میں نہیں ہوں۔ نہ بات طے ہونے میں نہ شاپنگ مجھ سے تو ہر چیز یوں چھپائی جاتی ہے۔ جیسے نظر لگا دوں گی۔“ وہ یاسیت سے گویا ہوئی۔

”مسز! میں اس وقت کوئی قاتلو بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ بس ریڈی ہو جاؤ۔ تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں۔“

ثانیہ نے بھی عقل کو ہاتھ مارا اور تیزی سے اندر بھاگی۔ عید بھی مسکرا کر فریٹش ہونے چلا گیا۔

☆☆☆

”ای! اب بس کہیں۔ میرے پیر سوچ گئے ہیں۔“ ارم کا بس چلتا تو بیچ مارکیٹ میں بیٹھ جاتی۔ پتا نہیں مائیں اس موقع پر کتنی کیوں نہیں ہے۔ ایک سے ایک بہترین چیز کی تلاش میں انہوں نے پوری مارکیٹ اور مال کھنگال لیا تھا۔ بہت سا سامان انہوں نے تو فیض صاحب کے ساتھ گاڑی میں گھر بھجوا دیا تھا۔

”ہاں تھک تو میں بھی گئی ہوں۔ چلو باقی کل پر رکھتے ہیں۔“ صد شکر کہ آسیہ مان گئیں۔

”لیکن گھر جانے سے پہلے مجھے کسی اچھی جگہ سے کھانا کھلائیں۔“ ارم نے جھٹ سے فرمائش جڑی۔ تھی آسیہ کا موبائل بجنے لگا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز راہٹرز کے لئے آفر
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM